اسکندریہ (مصر) ۸۲۰ میل۔ ٹریپولی یا طرابلس الغرب (لیبیا) ۱۸۰ میل، ایتھنز (یونان) ۵۴۰ میل۔ جزیرۂ سائپرس یا قبرص کی بندرگاہ لرناکا ۹۷۰ میل۔ یافا (فلسطین کی قدیم اسلامی بندرگاہ) ۱۰۴۲ میل، تل ابیب (Tell Aviv) فلسطین کی جدید یہود بندرگاہ ۱۰۴۶ میل۔ برنڈسی (اٹلی) ۳۶۰ میل۔ الجیرز یا الجزائر ۵۷۵ میل۔ کیگلیاری (جزیرۂ سارڈینیا) ۳۵۰ میل اور مارسیلز (فرانس) ۶۶۰ میل ہے۔ ان بندرگاہوں سے والیٹا ہی کے مقام پر بحری تار بھی آکر ملتے ہیں۔

مالٹا اور ٹیونس یا سسلی و ٹیونس کے درمیان اٹلی کا ایک جزیرہ بھی قدرے مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اس کا نام جزیرہ پنٹالیریا (Pantelleria) ہے۔ یہ چاروں طرف سے پہاڑ سے گھرا ہوا ہے اس کی حیثیت جزائر انڈمان کے مشابہ ہے کیونکہ اٹلی کا یہ کالا پانی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور جزیرے کو بحیرۂ روم میں مرکزی حیثیت حاصل نہیں۔ مبصروں نے لکھا ہے کہ جزائر مالٹا کی سسلی اور افریقہ کے تنگ درمیانی سمندر میں ایسی عجیب پوزیشن ہے کہ ضرورت کے وقت دشمن کے جہازوں کی آمد و رفت آسانی سے روکی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ یہ ہر چہار جانب سے کافی فاصلے پر واقع ہیں اس لیے ان جزائر پر سوائے ہوائی حملے کے اور کوئی حملہ نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں بزمانۂ امن والیٹا کے پاس کالی فرانا مقام پر اڑن کشتیوں کا اسکواڈرن اور ہلفار پر بہت بڑی ہوائی مستقر کے علاوہ دو توپخانے اور چار پلٹنیں مقامی افواج یعنی رائل مالٹا آرٹلری، ایک برطانی باقاعدہ پلٹن جو جزیروں کی حفاظت کے لیے مخصوص ہیں۔ کنگس اون مالٹا رجمنٹ، رزرو فوج اور رائل انجنیر (ملیشیا) مالٹا ڈویژن وغیرہ وغیرہ مقیم رہتی ہیں اور بحالت جنگ کا تو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ پوربی علاقوں میں عند الضرورت یہیں سے افواج اور کمک بھیجی جاتی ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء میں یہیں سے برطانی سپاہیوں کی دو پلٹنیں فلسطین بھیجی گئی تھیں۔ جزائر مالٹا کی مضبوطی کا یوں بھی آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ موجودہ جنگ میں جرمنی واٹلی کے ہوائی

جہاز دو ہزار سے زیادہ مرتبہ یورش کر چکے ہیں مگر ہنوز دلّی دور است۔ اس سے وہاں کی آبادی کی قوت مقاومت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

ان جزائر کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ان پر ایک درجن سے زائد ممالک و اقوام کا قبضہ رہ چکا ہے، جس کا اظہار باعثِ طوالت ہے۔ قریبی تاریخ یہ ہے کہ اس پر جرمن شہنشاہ بھی قابض رہ چکے ہیں کیونکہ بمبئی کی طرح یہ جہیز میں دیے گئے تھے۔ ۱۲۶۶ء میں شاہ سسلی نے فیصلہ کیا۔ اس کے بعد ہسپانیہ کے زیر حکومت رہے۔ ۱۳۰۸ء میں بیت المقدس (یروشلم) کے نائٹ قابض ہوئے انہوں نے پانسو سال تک راج کیا۔ ۱۷۹۸ء میں فرانس نے قبضہ کیا۔ ستمبر ۱۸۰۰ء میں انگریزوں نے قبضہ کیا۔ ۱۸۱۲ء کے معاہدۂ ایمینز کی رو سے طے پایا کہ یہ جزائر یروشلم کے نائٹ کے حوالہ کر دیے جائیں مگر دوبارہ جنگ چھڑ جانے سے حالات بدل گئے۔ بالآخر ۱۸۱۵ء میں معاہدۂ پیرس میں برطانی قبضہ کی تصدیق ہو گئی چنانچہ اُس وقت سے اب تک یہ جزائر برطانیہ ہی کے زیرنگین ہیں۔ مسٹر جے اے ہیمرٹن فیلو رائل جیوگرافیکل سوسائٹی اس جزیرے کی تعریف میں رقمطراز ہیں کہ "مالٹا کی قدرتی بندرگاہ نے تاریخ کے قدیم ایام سے جزیرے کو بہت ہی اہمیت دے رکھی ہے اور اس کے استحکامات نے ترکوں کی پیشقدمی کے خلاف عیسائیت کی حفاظت کا خوب ہی حق ادا کیا ہے"۔

مالٹا کا طول شرقاً غرباً ۱۷½ میل اور عرض شمالاً جنوباً ۸½ میل ہے اور رقبہ ۹۱ مربع میل ہے۔

گوزو 〃 〃 ۸¾ 〃 〃 〃 〃 ۴½ 〃 ۲۰ 〃 〃

باقی تینوں کو شامل کرنے سے ۱۲۲ مربع میل رقبہ ہے۔ آبادی مالٹا کی اندازاً ڈھائی لاکھ اور گوزو کی زائد از پچیس ہزار ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ جزائر گنجان ترین ہیں۔ مالٹا میں آبادی ویلیٹا سے چھ میل کے نصف قطر کے نصف دائرے میں ہے۔ بارہا کوشش ہو چکی ہے کہ یہاں کے لوگ نقل مکان کر کے دوسرے ممالک میں آباد ہوں مگر اس میں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ تخمیناً بارہ سو مالٹی

اضلاع متحدہ امریکہ میں سالانہ ہجرت کرتے تھے مگر روک ہو جانے سے اب یہاں کے لوگ جنوبی امریکہ کے مختلف ممالک میں جا کر آباد ہو رہے ہیں۔ یہاں کے باشندے مذہبًا رومن کیتھولک عیسائی ہیں۔ بارش عام طور پر جاڑے میں ہوا کرتی ہے۔ موسم گرما خشک اور بیحد گرم ہوتا ہے۔

مالٹئی جزائر کو ۱۹۲۱ء کے ایکٹ کی رو سے حکومت خود اختیاری حاصل ہے۔ تمام مقامی حالات ایک ذمہ دار گورنمنٹ طے کرتی ہے جس کی ایک ایگزیکٹو کونسل ہے۔ ایک آئین ساز جماعت بھی ہے جس میں سرکاری اور منتخب شدہ ممبر ہیں لیکن جزائر کی حفاظت شہنشاہی اقتدار بیرونی پالیسی اور بیرونی تجارت ایسے معاملات ہیں جن کا تعلق صرف فوجی گورنر سے ہے جس کی برطانی افسران پر مشتمل ایک کونسل ہے۔ کچھ عرصہ بعد مذہبی بنا پر فساد ہو گیا تھا جس کی وجہ سے حکومت خود اختیاری معطل کر دی گئی تھی، مگر تحقیقات کے بعد حکومت برطانیہ نے تعطل ہٹا لیا۔

عام باشندوں کی زبان مالٹئی ہے جو عربی زبان سے ملتی جلتی ہے۔ عدالتوں کی سرکاری زبان اطالوی ہے۔ مگر پبلک سکولوں میں والدین کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بچوں کو خواہ اطالوی زبان میں تعلیم دلائیں خواہ انگریزی میں۔ برطانی رعایا کے مقدمات کی سماعت انگریزی میں ہوتی ہے۔

جزائر کی آمدنی سالانہ ساڑھے چار لاکھ پونڈ سے زیادہ ہے اور اتنا ہی خرچ ہے۔

جزیروں میں کاشت گائے بیلوں سے ہوتی ہے۔ اندازاً دس ہزار سے کچھ اوپر کھیت ہیں۔ اوسط کھیت چار ایکڑ زمین ہے۔ پیداوار بہت ہی گنجان، سال میں دو فصلیں اور کہیں کہیں تین فصلیں بھی ہوتی ہیں۔ آلو، پیاز، اور دیگر سبزی ترکاری اتنی بہتات سے ہوتی ہے کہ یورپ کے ملکوں کی رسد بنی ہوئی ہے۔ میوہ جات میں سنترہ خاص طور پر مشہور ہے۔ ہندوستان میں بھی سُرخ چھلکوں والے سنتروں کی کاشت روبہ ترقی ہے مگر رنگ اور ذائقہ میں گھٹیا ہیں۔ گرچہ بیج یہیں سے لایا گیا تھا۔ گیہوں، جو، جوار آبادی کی ضرورت کو کافی ہوتی ہے۔ آبپاشی چشموں اور چاہات سے ہوتی ہے

زمین پتھریلی ہے۔ جزیروں کی سطح ناہموار ہے بلند ترین مقام سطح سمندر سے بارہ سو فٹ اونچا ہے کھیتوں کے گرد بلند دیواریں ہیں، یہ دیواریں شمال مشرقی ہواؤں کے طوفاں سے فصلوں کو محفوظ رکھتی ہیں۔

مالٹا کا پرانا صدر مقام ستاویچیا (Citta Vecchia) وسطی حصے میں واقع ہے موجودہ صدر مقام والیٹا ہے۔ یہ شمال مشرقی ساحل پر زبردست اور مستحکم بندرگاہ ہے۔ اس کی قدرتی دوہری بندرگاہ دنیا کی خوبصورت بندرگاہوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہاں بحری سلاح خانہ ہے اور بحیرۂ روم کے بیڑے کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ یہاں کا بے تار برقی کا اسٹیشن بہت ہی طاقتور ہے ہوائی مستقر کے علاوہ فضائی بیس بھی ہے۔ اس کی گودیاں اعلیٰ، وسیع اور بکثرت ہیں۔ یہاں تیرنے والی بھی ایک گودی ہے جو ۱۹۲۵ء میں تیار ہوئی تھی۔ اس میں بڑے سے بڑا جنگی جہاز آسکتا ہے یہ بندرگاہ ہر لحاظ سے خوب مستحکم ہے۔ یہاں ایک بہت بڑی جرمن تیرنے والی گودی بھی ہے۔ تیل کے تالاب، حرب اور خورونوش کے بڑے بڑے ذخائر بھی بکثرت ہیں۔ یہاں اسی لاکھ ٹن کے جہاز سالانہ آتے جاتے ہیں۔ برطانیہ کی جملہ مقبوضات میں سب سے بڑا بحری قوت کا مرکز یہی جزائر ہیں۔ ان کی بڑائی کی تفصیل بہت طویل ہے۔ اس بندرگاہ کی آبادی دنیا کی دیگر بندرگاہوں سے بہت کم ہے، مگر جگہ کی قلت کے پیش نظر اتنی گنجان ہے کہ فی مربع میل میں اوسطاً دو ہزار نفوس رہتے ہیں۔ والیٹا جس پہاڑی پر آباد ہے وہ ڈھلوان ہے اور سمندر میں ایک میل تک چلی گئی ہے مگر بہت محفوظ ہے۔

والیٹا کے علاوہ اس میں بیشمار خلیجیں ہیں جو اپنے استحکامات کی وجہ سے اہم ہیں۔ مالٹا میں مال و جہاز بھی بنتے ہیں اور مرمت بھی ہوتے ہیں۔ بہت سی بحری لائنوں کے جہاز باقاعدہ آتے جاتے ہیں، جن کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔ والیٹا سے اندرون جزیرہ میں آٹھ میل کی

ایک ریلوے لائن بھی ہے۔ بجلی سے ٹرا موے بھی چلتی ہے۔ علاوہ بریں جزیرہ کے مختلف اطراف و جوانب میں لاریاں چلتی رہتی ہیں۔

مالٹا اس اعتبار سے بھی بہت بڑا جزیرہ ہے کہ وہاں جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے دوران میں مولانا محمود الحسن صاحب اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی محبوس رہے۔

مدغشقر

مدغشقر یا مدغاسکر (Madagascar) افریقہ کے جنوب مشرقی ساحل سے جانب شرق چار سو کیلو میٹر (۲۵۰ میل) کے فاصلہ پر بحر ہند میں سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ ساری دنیا کے بڑے بڑے جزیروں گرین لینڈ، آسٹریلیا، نیوگنی اور بورنیو کے بعد اسی کا نمبر ہے۔ اس کا رقبہ ۲۲۸۰۰۰ مربع میل ہے۔ اس کی لمبائی ۹۹۵ میل اور اوسطاً چوڑائی ڈھائی سو میل۔ وسط میں زیادہ سے زیادہ چوڑائی ۳۶۰ میل ہے۔ اپنے محل وقوع کے لحاظ سے یہ افریقہ کے متوازی ہے اس کے اور افریقہ کے مابین رودبار موزمبیق ہے۔ یہ رودبار یعنی آبنائے ایک ہزار میل طویل اور زنگ سے تنگ حصے میں ڈھائی سو میل عریض ہے۔ مدغاسکر کی موجودہ آبادی چالیس لاکھ نفوس کے لگ بھگ ہے۔ اس میں تقریباً بیس ہزار فرانسیسی اور تین ہزار کے قریب یورپ کے دیگر ممالک کے باشندے بھی شامل ہیں۔ یہاں کے قدیم باشندوں کو مالاگاسی کہتے ہیں۔ یہ لوگ کیا بلحاظ شباہت، جسمانی ساخت، دماغی کیفیات رسوم و رواج اور زبان بلکہ ان سب باتوں سے بالاتر یعنی روایات کے اعتبار سے بھی بحر ہند اور بحر الکاہل کے جزائر کے رہنے والوں سے ملتے جلتے ہیں۔

مدغشقر میں جس قدر قابل زراعت زمین ہے اس کا نصف مالاگاسیوں کے پاس ہے باقی نصف ان یورپینوں کے پاس ہے جو نقل مکان کر کے مدغشقر میں آباد ہو چکے ہیں۔ جن میں فرانسیسی

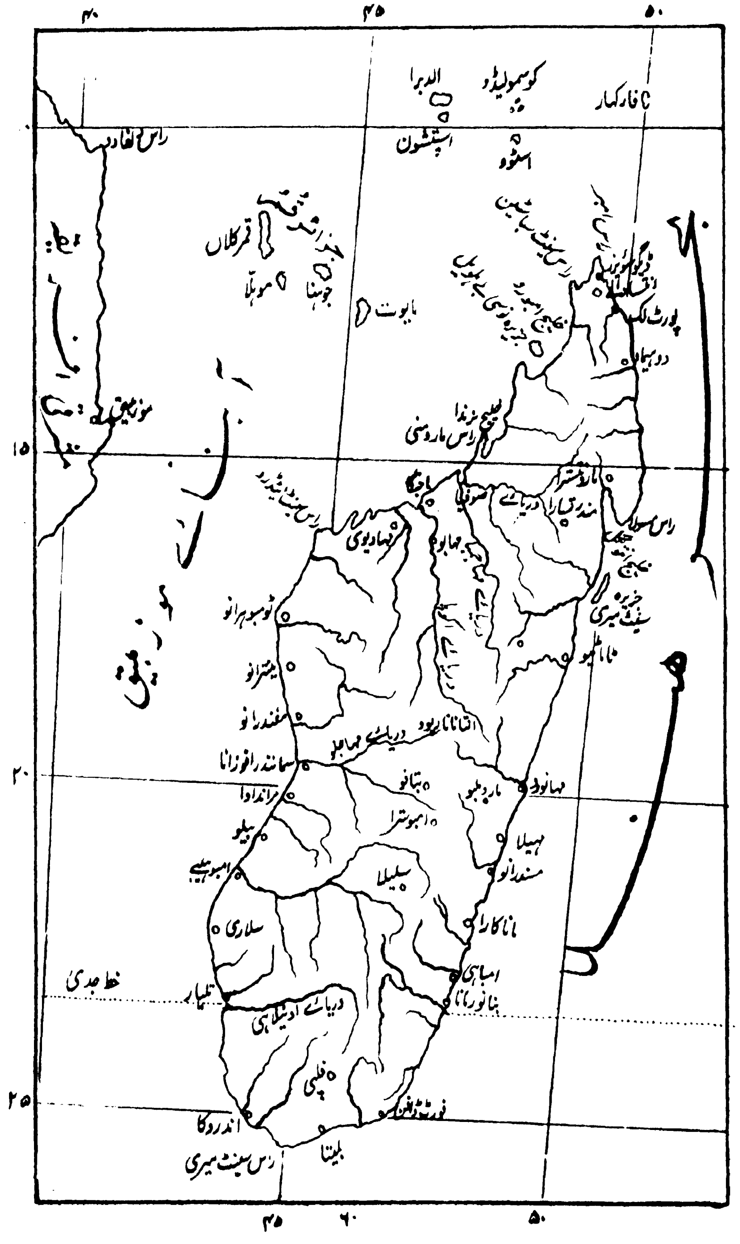
۴۰
۴۵
۵۰
۱۵
۲۰
۲۵
فارکہار
الدبرا
کوسمولیڈو
استوو
راس لفادو
جزائر قمر
قمرکلاں
موہلا
جوہنا
مایوت
موزمبیق
راس ماروسنی
پورٹ لک
ماجنگا
ماروانسترا
راس سینٹ میری
بلینا
اندروکا
خط جدی
تلیار
سلاری
دریائے اونیلاہی
بیلو
امبوسترا
بیتانو
منندرانو
مانا کارا
۴۵
۶۰
۵۰

بہت زیادہ ہیں۔ مالاگاسی ہل نہیں چلاتے بلکہ بیلچے کے ہم شکل ایک اوزار سے ہر قسم کے کام لیتے ہیں بیل صرف مٹی کے ڈھیلوں کے توڑنے میں کام آتے ہیں۔ گویا زراعت میں بیلوں سے سہاگہ کا کام لیا جاتا ہے اور بس، مستورات چرخہ کاتتی اور کپڑا بنتی ہیں۔ یہ کپڑا جزیرہ مدغشقر کے باشندوں کی ضرورت سے زیادہ تیار ہوتا ہے۔ آس پاس کے جزیروں میں دساور ہوتا ہے۔ یہ کپڑا مضبوط اور دیرپا ہوتا ہے، جو ریشم، سوت، سن، صبر، کیلہ وغیرہ کے ریشوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ اسے مختلف خوشنما رنگوں سے رنگا بھی جاتا ہے۔ باشندے عام طور پر بہادر اور خلیق ہوتے ہیں۔ باہم حفظِ مراتب کے پابند ہیں۔ بچوں کے شفیق، بوڑھوں اور عورتوں کی عزت اور ادب کرتے ہیں۔ اور قدامت پسند ہیں۔

مدغشقر میں قند، کافی، تمباکو، قرنفل یعنی لونگ، شہتوت، عمارتی لکڑی، گوند، رال، ربڑ، کوکو گرم مسالے، سونا، لوہا، اراروٹ، پنسل کا سرمہ، چاول، ناریل، اور روئی خاص پیداوار ہیں۔ مویشیوں کے پالنے کا کام بھی یہاں بہت زیادہ ہے۔ یورپین شتر مرغ بھی پالتے ہیں۔ چند سال ہوئے کہ اندازاً اسی لاکھ مویشی پانچ لاکھ سؤر اور تین لاکھ سے زائد بھیڑ بکریاں مدغسقر میں شمار کی گئی تھیں۔ سونا شمالی وجنوبی حصہ میں پیدا ہوتا ہے اور مویشی عام طور پر بلند وسطی علاقے میں پائی جاتی ہیں۔

مدغسقر کے باشندوں کا لین دین فرانسیسیوں سے زیادہ ہے۔ کل تجارت کا ⅚ حصہ فرانس سے ہے اور ⅙ برطانیہ سے۔ اس کے علاوہ برطانیہ کے سرمایہ داروں کا بہت سا سرمایہ بھی لگا ہوا ہے جزیرے میں عموماً سڑکیں پختہ اور بہت اچھی ہیں۔ تخمیناً ۱۵۰۰ میل عمدہ سڑکیں اور ساڑھے پانچ سو میل ریلوے ہے۔ نہریں بھی کافی ہیں۔ بہت سے دریا اور آبشار ہیں۔ دریاؤں میں جہاز رانی بھی کم وبیش ہوتی ہے۔ کئی ایک جھیلیں بھی ہیں جن میں سے ایک جھیل کھاری پانی کی ۲۵ میل لمبی ہے موسم دو ہوتے ہیں۔ ایک گرم اور برساتی جو نومبر سے اپریل تک دوسرا سرد اور خشک اپریل سے

نومبر تک ہوتا ہے۔ مدغشقر کا مشرقی ساحل بوجہ دلدلوں کے صحت بخش نہیں ہے۔ یورپین خاص طور پر وسطی سطح مرتفاعی علاقے میں رہتے ہیں کیونکہ وہاں کی آب و ہوا خوشگوار اور صحت افزا ہے۔

جس طرح آسٹریلیا کا ساحل زیادہ تر سپاٹ ہے اسی طرح مدغشقر کا شرقی ساحل سیدھا سیدھا، ریتیلا اور کراڑے دار میدانی ہے۔ صرف ٹاماٹیو بڑی بندرگاہ ہے جو قدرے مونگوں کے ٹیلوں سے محصور ہونے کے باعث محفوظ ہے۔ یہ بندرگاہ مدغشقر کے صدر مقام انتاناناریوو سے بذریعہ ریلوے لائن ملی ہوئی ہے۔ اس بندرگاہ میں کوئی اہم گودی بھی نہیں ہے۔ تجارتی مال چھوٹے چھوٹے لائٹرز یعنی دخانی کشتیوں سے لادا اور اُتارا جاتا ہے۔ دراز دار ساحل صرف خلیج انتونگل۔ پورٹ لک یا جزیرے کے انتہائی ساحل کا حصّہ ہے یہاں ڈیگو سوئیزر البتہ دنیا کی خوبصورت ترین بندرگاہوں میں سے ہے۔ جنوبی ساحل اگرچہ سطح سمندر سے بلند ہے مگر وہاں نہ کوئی راس ہے اور نہ کوئی خلیج ہے۔ جزیرے میں سب سے بلند مقام امبورو ۹۴۹۰ فٹ اونچائی پر ہے۔

سب سے بڑا ساحلی جزیرہ سینٹ میری ہے جو مشرقی ساحل پر ۳۰ میل لمبا اور بہت ہی کم چوڑا ہے۔ دوسرا شمالی غربی ساحل کے پاس نوسی بے ہلویل ہے ان کے علاوہ جتنے جزائر ہیں وہ پہاڑی اور مونگیائی اور بہت ہی چھوٹے اور غیر آباد ہیں۔

موزمبیق (صدر مقام پرتگیزی شرقی افریقہ) سے ماجنگا ایک بحری تار جاتا ہے۔ ٹاماٹیو زنجبار سے ۱۱۳۰ میل اور ماجنگا ۱۰۷ میل ہے۔ ٹاماٹیو جزیرہ ریونیوں سے ۲۷۵ میل۔

مدغشقر کے بالمقابل پرتگیزی شرقی افریقہ ہے اس کے علاوہ برِ اعظم افریقہ کا سارا شرقی ساحل برطانیہ کا ہے جس میں بہت سی تجارتی اور بحری بندرگاہیں ہیں۔ مدغشقر سنہ ۱۸۹۶ء سے فرانس کے قبضے میں تھا حال ہی میں برطانیہ نے بعض جنگی مصالح کے پیش نظر اس پر فوجی قبضہ کرلیا ہے۔ اخبارات سے

معلوم ہوا تھا کہ فرانسیسی مقیم فوج نے اپنی بساط کے مطابق بہت کچھ مزاحمت کی تھی۔ مگر بالآخر ہتھیار ڈال دیئے۔ جنگ رواں میں یہ بھی ایک برطانی کارنامہ ہے اگرچہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد فرانس کو واپس دے دیا جائیگا۔ ابھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ جزائر قمر (کومورو Comoro) وغیرہ پر بھی برطانیہ نے قبضہ کیا یا نہیں، یا ان کی ضرورت ہی نہیں۔

شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک

از حضرت مولانا عبید اللہ سندھی

اکبر اعظم، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب کی با اقبال و باجبروت حکومتوں کے بعد جب ہندوستان کی سلطنت پارہ پارہ ہو رہی تھی، ایک طرف سے سکھ، مرہٹے، جاٹ، اودھ کے نواب اور روہیلے دوسری طرف سے فرنگی قومیں ہندوستان کی عظمت اور وحدت کو ختم کرنے پر تل گئی تھیں، ملک کے اندر فتنہ و فساد بپا تھا، اس نازک وقت میں دہلی کے ایک درویش فلسفی ایک نئے ہندوستان کا خواب دیکھتے ہیں، یہ خواب آہستہ آہستہ حقیقت کا جامہ پہنتا ہے اور ہندوستان کے صدر مقام دہلی میں ایک نئی سیاسی تحریک وجود میں آتی ہے۔ یہ بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ ہیں اور اُن کی سیاسی تحریک کا ایک مجمل خاکہ اس کتاب کا موضوع ہے۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا یہ اہم ترین باب ہے۔ اس میں وہ سب کچھ ہے جس کو نہ جاننے سے آج ہندوستان کے مسلمان پریشاں اور سرگرداں ہیں۔ یہ حالات محض ماضی کی داستان نہیں بلکہ مستقبل کے لیے شمع راہ ہیں۔ یہ کتاب برسوں کے مطالعہ، مشاہدات و تجربات اور عمیق غور و فکر کا حاصل ہے۔ مصنف دیوبند میں شاہ ولی اللہ کی تعلیمات سے آشنا ہوئے۔ اپنے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن میں اُنھوں نے ان بزرگوں کی شخصیت کی جھلک اپنی آنکھوں سے دیکھی، افغانستان گئے تو شاہ اسمٰعیل اور سید احمد شہید کے نقش قدم پر چل کر اُن کے جہادی کارنامے کانوں سے سُنے اور خود اُن کا تجربہ کیا، روس اور ٹرکی پہنچ کر شاہ ولی اللہ کے سیاسی اور اجتماعی نظام کو پرکھا اور پرکھ کر دل سے مانا اور بارہ برس مکہ معظمہ میں۔ ہ کر اس نظام کو مرتب کیا۔ اب اسی نظام کے پہلے علمبرداروں کی ایک اجمالی تاریخ پیش فرماتے ہیں۔ قیمت دو روپیے۔ مکتبہ برہان دہلی قرول باغ

تلخیص و ترجمہ

ایران کا پس منظر

(۲)

جرمنوں کی اسکیم میں ایران کی فوجی ترقی بھی داخل تھی، اس سلسلہ میں فیلڈ مارشل فان ڈر گولٹز (Von der goltz) کرمان شاہ گیا تھا جہاں جرمن افسر رنگروٹوں کو ٹریننگ دے رہے تھے۔ فروری ۱۹۱۶ء میں وہاں کا جائزہ لینے کے بعد فان ڈر گولٹز نے ان الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا "یہاں نفسی نفسی کا دور دورہ ہے لالچ اور بزدلی نے قبضہ کر رکھا ہے۔ جد و جہد "کوہ کندن کاہ برآوردن" کا مصداق ہوگی" ان رنگروٹوں کا پھر کوئی حال معلوم نہ ہو سکا۔

۱۹۱۶ء میں بغداد سے وسط ایران تک جنگ کا مدوجزر جاری رہا۔ موسم بہار میں ارضِ روم پر روسیوں کا قبضہ ہوا، اور کرمان شاہ کے جرمن افسر نکال باہر کئے گئے لیکن موسم گرما میں کٹ (KUT.) کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے روسیوں کو کرمان شاہ اور ہمدان دونوں سے مایوس ہونا پڑا۔ ایک مدت تک حالات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی۔

موسم بہار ۱۹۱۶ء میں ایک برطانوی فوجی مشن سر پرسی سائکس کی قیادت میں بندر عباس میں اترا، یہ مشن مستقبل میں "ساؤتھ پرشین رائفلز" کے نام سے معروف ہوا، اس کا مقصد ایک فوج کا جمع کرنا تھا! اس فوج نے تین سو میل کی مسافت قطع کر کے چار سو ہندوستانی سپاہیوں کی معیت میں کرمان شاہ پر یورش کر دی تھی اور جرمنوں کو وہاں سے نکال دیا تھا۔ ساٹھ جرمن افسر بھی گرفتار کر لئے گئے تھے، یہاں سے یہ فوج یزد پہنچی تھی مقصد یورپین نو آبادی کی دلجوئی تھی۔

اس فوج کا رخ شیراز کی طرف تھا مگر اصفہان کے روسی کمانڈر نے ایک تار کے ذریعہ اطلاع دی "اصفہان کو ترکوں کی ایک فوج کا خطرہ لاحق ہو رہا ہے، مجھ سے اشتراکِ عمل کیجیے" برطانوی قونصل نے اس کی تائید کی، مجبوراً اسے اصفہان جانا پڑا، ترکوں نے مصلحتِ وقت کا لحاظ کر کے اپنا رخ ہمدان کی طرف پھیر دیا تھا سر سائکس اپنی فوج کے ساتھ شیراز چلا گیا جو اس وقت سوئڈن کے فوجی افسروں کی ریشہ دوانیوں کا مرکز تھا اس فوج کی آمد کی خبر سنتے ہی یہ افسر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے چند گرفتار بھی کر لیے گئے تھے۔

موسم سرما میں شیراز کے جرمن قیدی، جن کی طرف سے ہر لمحہ کھٹکا لگا رہتا تھا، اصفہان روانہ کر دیے گئے وہاں سے روسیوں نے انھیں باکو روانہ کر دیا۔ ۱۹۱۷ء کے موسم بہار میں لٹیرے قبائل کو عبرت ناک سزائیں دیکر تجارتی راستہ کو مامون کر دیا گیا یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔

مارچ ۱۹۱۷ء میں بغداد کی تسخیر عمل میں آئی اس کا سیاسی اثر یہ ہوا کہ ایرانی حکومت نے "ساؤتھ پرشین رائفلز" کی فوجی حیثیت سرکاری طور سے تسلیم کر لی اور اب کاشغائی قبیلہ کو اپنے ساتھ ملا لینے میں آسانی ہوگئی یہ ایک با اثر قبیلہ تھا، اس کی تعداد تیس ہزار تھی اور بغداد کے ساحل سے فارس کی سطح مرتفع تک پھیلا ہوا تھا یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ قبیلہ برطانی نظم و نسق کا دشمن تھا، ترکوں کی طاقت سقوطِ بغداد کے بعد مضمحل ہوگئی تھی اس لئے انھیں بغداد کو خیرباد کہنا پڑا تھا، مارچ ۱۹۱۷ء کا تاریک پہلو یہ تھا کہ برطانیہ کو سیار (Isar.) سے ہاتھ دھونا پڑا، اس کی وجہ سے برطانی سلطنت کے لئے بہت بڑا خطرہ لاحق ہوگیا تھا، اس میں شبہ نہیں کہ اگر فوری تدابیر میں تساہل کیا جاتا تو جرمن فوجیں افغانستان پہنچ سکتی تھیں۔ اربابِ بصیرت نے اس خطرہ کے انسداد کی فوری تدابیر اختیار کیں اور ایک فوجی مشن تفلیس (Tiflis.) بھیجا گیا، مقصد یہ تھا کہ کاکیشیا میں ترکوں کے خلاف دفاعی استحکامات کئے جائیں، اس مشن کو توقع تھی کہ جارجی اور آرمینی قبائل کو وطنی تحفظ کے پردہ میں ترکوں سے توڑ لیا جائیگا مگر اسے مایوسی ہوئی جب آرمینی کسی "نرخ" پر بھی رضامند نہ ہوئے۔ اس خطرناک مہم کا لیڈر میجر جنرل ایل، سی ڈنسٹرول (L. C. Dunsterville.) تھا۔ یہ جنرل روسیوں کی ذہنیت اور ان کی